۵۔ اس غزل کے مطلع اور مقطع کی نشاندہی کریں۔

۶۔ مذکر اور مؤنث الگ الگ کریں۔

ہستی، حباب، نمائش، سراب، لب، بُو، کباب، مستی، شراب

۷۔ اِعراب لگا کر تلفّظ واضح کریں:

حباب، سراب، نمائش، چشم دل، عالم، اضطراب، آتش غم، نیم باز

۸۔ متن کے مطابق درست لفظ کی مدد سے مصرعے مکمل کریں۔

(الف) نازکی اس کے .... کی کیا کہیے

(ب) پنکھڑی اک .... کی سی ہے

(ج) ہستی اپنی .... کی سی ہے

(د) بار بار اس کے .... پہ جاتا ہوں

غزل:

لغت میں غزل کے معنی ''عورتوں سے باتیں کرنا'' (سخن بازنان گفتن) یا عورتوں کی باتیں کرنا (سخن از زنان گفتن) کے ہیں۔ اصطلاح میں غزل شاعری کی وہ قسم ہے جس میں حسن وعشق کے موضوعات اور تجربات پیش کیے جاتے ہیں۔ غزل کے لہجے میں موسیقی اور ترنّم کے عناصر ہوتے ہیں۔ غزل میں مخصوص علامتیں ہوتی ہیں جو غزل کو دوسری اصناف سے ممتاز کرتی ہیں۔ غزل میں حسن وعشق کے ساتھ ساتھ تصوف، اخلاق اور حیات وکائنات کے مضامین بھی ملتے ہیں۔

غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ باقی اشعار کے ہر دوسرے مصرعے میں قافیہ موجود ہوتا ہے۔ غزل کا آخری شعر مقطع کہلاتا ہے، بشرطیکہ شاعر نے اس میں اپنا تخلص برتا ہو۔

غزل کی ایک انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ اُس کا ہر شعر موضوع کے اعتبار سے مکمل ہوتا ہے۔ اِس حوالے سے وہ دوسرے اشعار کا محتاج نہیں ہوتا۔

مطلع:

مطلع کے معنی نکلنے کی جگہ یا نکلنا کے ہیں۔ اصطلاح میں غزل یا قصیدے کے پہلے شعر کو مطلع کہا جاتا ہے، چونکہ غزل یا قصیدہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔ مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ جن شعروں میں یہ التزام نہ ہو وہ اشعار مطلع نہیں کہلاتے۔ مطلع کی چند مثالیں دیکھیں:

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں! خوش رہو ہم دُعا کر چلے

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں اِرم دیکھتے ہیں

لگتا نہیں ہے جی مرا اُجڑے دیار میں
کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں

مقطع:

مقطع کے لغوی معنی ختم کرنے یا کاٹنے کے ہیں۔ اصطلاح میں مقطع غزل کے آخری شعر کو کہا جاتا ہے جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ جس شعر میں شاعر اپنا تخلص استعمال نہ کرے اسے غزل کا آخری شعر کہا جائے گا، مقطع نہیں۔ مقطع کی چند مثالیں دیکھیں:

کیوں سُنے عرضِ مضطرب مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

اب تو جاتے ہیں بُت کدے سے میرؔ
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہؔ
اِک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

سرگرمیاں:

ا۔ میرؔ کی اس غزل کو زبانی یاد کریں اور اپنی کاپی میں لکھیں۔

۲۔ میر تقی میرؔ کی کوئی اور معروف اور آسان غزل، اپنی کاپی میں لکھیں۔

۳۔ جماعت کے کمرے میں اس غزل کی درست آہنگ کے ساتھ بلند خوانی کی جائے۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ غزل کی ہیئت کے بارے میں بتایا جائے۔

۲۔ اُردو غزل کے ابتدائی اور ارتقائی دور کا مختصر ذکر کیا جائے۔

۳۔ اس غزل کے اشعار میں موجود تشبیہوں کی وضاحت کی جائے۔

۴۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ تمام شاعروں نے میرؔ کی غزل گوئی کی عظمت کو تسلیم کیا ہے۔ اس سلسلے میں کم از کم غالبؔ کا یہ شعر لکھوایا جائے:

ریختے کے تمھی اُستاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

خواجہ حیدر علی آتشؔ

(۱۷۶۴ء.........۱۸۴۶ء)

نام حیدر علی اور تخلص آتشؔ تھا۔ آپ فیض آباد، لکھنو میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خواجہ علی بخش تھا جو دِلّی کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شجاع الدولہ کے عہد میں دِلّی چھوڑ کر فیض آباد آ گئے تھے۔ ابھی آتشؔ صغیر سِن تھے کہ والد وفات پا گئے۔ اس لیے ان کی تعلیم و تربیت بہتر طریقے سے نہ ہو سکی۔ آتشؔ نے نواب مرزا تقی خاں کی ملازمت اختیار کر لی۔ اُن کے ساتھ لکھنؤ آ گئے۔ شاعری میں مصحفیؔ کی شاگردی اختیار کی۔ آپ کے اپنے ہم عصر شاعر امام بخش ناسخؔ سے کئی ادبی معرکے ہوئے۔ آپ قلندرانہ مزاج کے حامل تھے، اِس لیے کسی دربار سے وابستہ نہیں ہوئے۔

آتشؔ غزل گو شاعر تھے۔ ان کی غزلوں میں تغزل کی بیشتر خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ بھی اپنے زمانے کے دیگر شعرا کی طرح شاعری کو شاعرانہ صنّاعی، مرصع کاری اور الفاظ کی نگینہ کاری کہتے تھے۔ تاہم آتشؔ کے ہاں عامیانہ و سوقیانہ پن دکھائی نہیں دیتا جو اس وقت کے لکھنوی شعرا کے کلام میں جا بجا نظر آتا ہے۔ آتشؔ کے کلام میں فقر و غنا، توکّل، تصوف، دنیا کی بے ثباتی، قناعت پسندی، درویشانہ رنگ اور اخلاقی مضامین بکثرت دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں تغزل، رجائیت، سادگی و سلاست، نادر تشبیہات و استعارات، عمدہ صنائع بدائع، رندانہ موضوعات اور آتش بیانی کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

آتشؔ کی تصانیف میں ان کا کلیات ہی اہم ہے جس میں ان کا وہ سارا کلام شامل ہے جو مختلف اصنافِ سخن کی صورت میں موجود ہے۔

خواجہ حیدر علی آتشؔ

غزل

مقاصدِ تدریس

۱۔ آتشؔ کے عہد تک، اُردو غزل کے ارتقا سے طلبہ کو آگاہ کرنا۔
۲۔ طلبہ کو آتشؔ اور ان کے اندازِ بیان سے متعارف کرانا۔
۳۔ طلبہ کو اُردو غزل کے مضامین اور موضوعات سے روشناس کرانا۔

رُخ و زلف پر جان کھویا کیا
اندھیرے اجالے میں رویا کیا

ہمیشہ لکھے وصفِ دندانِ یار
قلم اپنا موتی پرویا کیا

کہوں کیا ہوئی عمر کیونکر بسر
میں جاگا کیا، بخت سویا کیا

رہی سبز بے فکرِ کِشتِ سخن
نہ جوتا کیا میں، نہ بویا کیا

برہمن کو باتوں کی حسرت رہی
خدا نے بتوں کو نہ گویا کیا

مزا غم کے کھانے کا جس کو پڑا
وہ اشکوں سے ہاتھ اپنا دھویا کیا

زنخداں سے آتشؔ محبت رہی
کنویں میں مجھے دل ڈبویا کیا

(کلیاتِ آتشؔ: جلدِ اوّل)